مینائے ادب

Mina-e-Adab

https://www.etsy.com/uk/listing/529924421/vintage-indian-brass-set-pitcher-tray?ga_order=most_relevant&ga_search_type=all&ga_view_type=gallery&ga_search_query=turkish%20brass%20tray&ref=sr_gallery-1-2 (18-02-18 @ 15:35)

A collection of short stories written by

Sahibzadi Zahida Mazhar

Newcastle Upon Tyne, United Kingdom

Copyright © Zahida Mazhar 2018

پیش لفظ

تسلیم کہ میں کوئی بڑی ادیبہ شاعرہ یا مزاح نگار نہیں ہوں جبکہ افسانوں ناولوں کی دنیا میں بڑے بڑے منجھے ہوئے لکھنے والے حضرات کی کمی نہیں ہے اور مزاح نگار بھی بہت ہیں۔ جبکہ میں مزاح نگار نہیں ہوں۔ اس کے علاوہ دینی علمی میدان میں بھی بڑے بڑے معزز صاحبان محترم اور نامور محترم علما کرام کے لیکچر اور کالم بھی صاحب ذوق سگھڑے حضرات کو روحانی ذہنی اور قلبی تسکین فراہم کرنے کے لئے میسر ہیں جب کہ میں تو اس میدان میں نو مولود ہوں۔

اس کے باوجود مجھے یقین کامل ہے کہ میرے معزز قارئین کرام کو میری تحریر میں اناڑی پن کا احساس نہ ہو سکے گا۔ اور آپ قارئین کرام کو میری تحریروں میں دین و ملت پر جانثاری کے جذبات اور ولولے کے علاوہ روحانی جلا بھی ملے گی۔ اس کے علاوہ آپ کو تشنگی کا احساس تک نہ ہونے پائے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔

کیونکہ میں نے انتہائی سادہ اور سلیس عام فہم زبان میں بڑے بڑے مسائل اور حادثات و واقعات کو قلم بند کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میرے افسانے یا کہانیاں ۹۰٪ حقائق پر مبنی ہیں۔ نوے فیصد سچے واقعات ہیں

بس یوں سمجھ لیجئے کہ زیادہ سے زیادہ ۱۰٪ زیب داستاں کے لئے رنگ آمیزی کی گئی ہے دس فیصد زیب داستان کے لئے یا رہ مسالے ڈالے ہیں چند افسانے یا کالم عرصہ قبل روزنامہ جنگ لندن، ہفت روزہ اخبار وطن لندن یا پھر ہفتہ وار پرچہ راوی بریڈفورڈ میں چھپ چکے ہیں۔ جو کہ اُس ہفتے کے منتخب افسانے کہلائے۔ اور بہت پسند کئے گئے یوں بھی جب بھی جو کچھ چھپتا رہا ہے الحمدللہ ہمیشہ ہی نمایاں جگہوں پر شائع ہوتا رہا ہے۔ جسے کہ معزز قارئین کرام نے بھی بہت پسند کیا تھا اور سراہا تھا بلکہ میری حوصلہ افزائی بھی کرتے رہے ہیں۔

میں جانتی ہوں کہ آج کے دور میں فحش فلمیں اور اخلاق باختہ گھٹیا لٹریچر کو بڑی بڑی رقمیں خرچ کر کے حاصل کیا جاتا ہے اور پھر اپنا قیمتی وقت ضائع کر کے بیہودہ فلموں گھٹیا کتب و رسائل سے بھی نازیبا مواد کے ذریعے اپنی دنیا اور آخرت کو تباہ و برباد کیا جاتا ہے۔

اس کے باوجود بھی مجھے یقین ہے کہ شرفا کی ایک بڑی تعداد اور سلجھے ہوئے با ذوق حضرات بھی ابھی اس دنیا کے سٹیج پر اپنے اپنے باکردار فرائض ادا کرنے کے لئے موجود ہیں اور ایسے ہی معزز و محترم قارئین کرام کی تفریح طبع کے لئے میں نے اپنی تحریروں کو شائع کروانے کا

پروگرام بنایا ہے حالانکہ میری صحت بالکل بھی اجازت نہیں دیتی کہ بیٹھوں
اور کچھ لکھوں کیونکہ ڈھلتی عمر اس پر ہائی بلڈ پریشر معدہ میں السر
دل اور جگر پر سوزش شوگر کے ٹیکے دوائیاں جوڑوں کا درد نجانے
کتنے دکھ اس جان ناتواں نے پال رکھے تھے کہ اس ظالم کینسر کی
کسر رہ گئی تھی وہ بھی پوری ہو گئی
بہت بڑا آپریشن کر کے خربوزہ برابر ٹیومر نکالا گیا اس کے بعد بھی
کیموتھیراپی اور پھر ریڈیوتھیراپی بھی ہوتی رہی۔
میجر آپریشن تو پہلے بھی کتنی بار ہو چکے تھے مگر اس بار تو طبیعت
سنبھلنے کا نام ہی نہیں لیتی۔ سسکتے کراہتے زندگی کی گاڑی گھسیٹ رہی ہوں۔
بس اگر چلتی پھرتی ہوں اور اپنا کام دھندہ کر لیتی ہوں تو یہ صرف
میرے اللہ پاک کے مہربان کی کرم نوازی اور میرے آقا و مولا رحمت کل
عالمین کی رحمت خاص کے سبب سے ہے۔ الحمدللہ رب العالمین سلام و صلاۃ علی رحمۃ اللعالمین
یا پھر جو خیر خواہ احباب دعائے خیر میں یاد رکھتے ہیں ان کی پُر
خلوص دعائیں کام آ رہی ہیں اسی لئے میرے ۷ دیوان مکمل
ہو کر ایک دینی کالموں کی کتاب اور یہ ایک افسانوں اور
کہانیوں کی کتاب بھی اب پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔

یوں تو حالت یہ ہے کہ جیسے کہتے ہیں ناں کہ اونٹ رے اونٹ
تیری کونسی کل سیدھی؟ اسی طرح میرا رواں رواں دکھتا ہے اور
پورا وجود زخم زخم ہے اس کے باوجود رحمت باری تعالیٰ کے ساتھ
ساتھ رحمۃ اللعالمین کی نظر کرم سے مسلسل آمد ہوتی رہی اور
میرے ۷ دیوان حمد و نعت قطعات و فریاد التجا اور دعا سے
مزین مکمل ہو کر تین کتب نثر میں بھی ہو گئی ہیں میری تخلیقات
اوّل نغمات طیب۔ دوئم شعاعِ نور۔ سوئم نور کی دھارا
چہارم نور و سرور۔ پنجم بزم نور۔ ششم مینائے ادب ہیں۔
الحمدللہ میرے ۷ دیوان اور میری بزم نور اور مینائے ادب بھی
آپ قارئین کرام کو ذہنی روحانی اور قلبی تسکین فراہم
کریں گے انشاء اللہ۔ میری نغمات نور حمد و نعت کا دیوان مکمل ہے
اللہ رحمان و رحیم سے التجا ہے کہ میری ان کاوشوں کو اپنی بارگاہ عالی میں
قبول اور منظور فرما لیں آمین اور اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم
کے صدقے مجھ گنہگار پر اور میری بیٹیوں پر اپنے لطف و رحمت بے پایاں سے
لازوال رحمتیں برکتیں نصرت و سرفرازی کے دائمی ابدی دروازے کھول دے آمین۔
بجاہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم یارب العالمین آمین

I

کڑی آزمائش

گرمیوں کا موسم تھا۔ صبح ہی صبح دھوپ میں باہر نکلنا مشکل ہوتا ہے ابھی دن کے دس ہی بجے تھے۔ کہ سہیل نے نہا کر سفید شلوار قمیص پہن لیے اور کنگھی کرنے کے بعد عطر بھی لگا لیا اور پھر سرمہ بھی آنکھوں میں بھر لیا۔ اس کے بعد بڑی ادا سے ٹہلتے ٹہلتے اپنی امی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

ماں نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور اپنے بیٹے کی سج دھج دیکھ کر ہنستے ہوئے پوچھا آج کیا بات ہے؟ بڑے دولہا بنکر آئے ہو عطر بھی لگایا ہے اور سرمہ بھی مٹکا لیا ہے یوں بھی آج تم اپنے پورے قد سے بڑے ڈٹ کر کھڑے ہو ورنہ تو تم اپنے لمبے قد کو کچھ کم کرنے کی کوشش میں گردن کو جھکائے رکھتے ہو۔

خیریت تو ہے؟ کیا ارادے ہیں؟ ماں کی ممتا اپنے نوجوان بیٹے پر صدقے واری ہو رہی تھی۔

بیٹے نے مسکرا کر بڑے ادب آداب سے جواب دیا۔ کہ امی جان آج جمعہ ہے ناں اس لئے غسل کر کے کپڑے تبدیل کئے تو سوچا کہ عطر لگانا سنت ہے تو سرمہ ڈالنا بھی سنت ہے اسی خیال سے میں نے بھی سنتوں پر عمل کر کے عطر اور سرمہ کی سنت پوری کر لی ہے

ابھی ماں بیٹا باتیں کر ہی رہے تھے کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ تب ملازم نے آ کر بتایا کہ چھوٹے صاب آپ کے چند دوست آئے ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں۔ میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے لئے پوچھا ہے مگر وہ تو آپ کو لینے آئے ہیں اس لئے آپ کو بلا رہے ہیں ملازم کے بتانے پر سہیل دروازے پر پہنچا تو اس کے دوستوں نے کہا کہ ہم سب شکار کرنے جا رہے ہیں سوچا تمہیں بھی ساتھ لے لیں چلو گے؟ نہ مت کہنا ورنہ اچھا نہیں ہوگا ہم بتائے دیتے ہیں۔

سہیل بولا اچھا ٹھہرو میں ابھی آیا یہ کہتے کہتے سہیل گھر کے اندر گیا اور چند ہی لمحوں میں گھر والوں سے چھپا کر بندوق اور کارتوس لے کر چلا آیا۔ گھر میں تو کسی کو خبر بھی نہ ہو سکی کہ سہیل بندوق لے کر گیا ہے۔ اب سب دوست شکار کرنے کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔

در اصل یہ بندوق سہیل کی اپنی بندوق نہیں تھی۔ وہ تو ابھی بچہ ہی تھا آٹھویں جماعت کا طالب علم، وہ تھا بھی کافی شوخ طبع لڑکا۔ پڑھائی میں بھی لیس گوارہ سا تھا جوں توں کر کے بمشکل پاسنگ مارکس لے ہی لیتا تھا۔ شکل و صورت بھی واجبی سی تھی۔ ایک بھائی اس سے بڑا تھا اور ایک بھائی اس سے چھوٹا بھی تھا۔ یوں تو تینوں لڑکے ہی کافی

بگڑے ہوئے تھے مگر دوسرے دونوں بھائی تو آفت کا پرکالا تھے۔ جیسے کہ
عام طور پر بگڑے رئیسوں کے بگڑے ہوئے بچے ہوتے ہیں۔ یہ تینوں
لڑکے بھی ہر روز دوستوں کے ساتھ مل کر آوارہ گردی کرتے رہتے۔
کبھی ہوٹلنگ کبھی پک نک کبھی شاپنگ کرتے خوب خوب فضول خرچی
ہوتی تھی۔ سڑکوں پر گاڑیوں کی ریس کبھی موٹر بائیک ریس ہوتی رہتی۔
حالانکہ باپ نے سکوٹر کاریں اور گھوڑے بھی لے کر دے رکھے تھے تاکہ
میرے لاڈلوں کا جی چاہے تو کاروں میں دندناتے پھریں اور اگر
بیٹے سکوٹر کی ریس کرنا چاہیں تو سکوٹر موجود ہوں اور پھر
جب ان رئیس زادوں کا دل چاہے وہ شہ سواری کر لیں۔ ان کے لئے
اچھی نسل کے گھوڑے اصطبل میں موجود تھے۔ اس کے علاوہ ایک ایک
ہزار روپیہ ان کے جیب خرچ کے لئے ہر روز تینوں بھائیوں کو مل جایا
کرتا تھا۔ جو کہ چند گھنٹوں میں ہی اڑا دیا جاتا تھا
اس کے بعد ماں سے مزید رقم کا مطالبہ کیا جاتا اور جب ماں فضول خرچی کے
لئے رقم دینے سے انکار کرتی یا پھر ٹال مٹول سے کام لیتی تو پھر والدین
کے لاڈلے سپوت ہاکی بیٹ یا پھر سنگ باری کر کے کھڑکیوں کے تمام
شیشے چکنا چور کر کے رکھ دیتے تھے
یہاں تک کہ مجبور ہو کر ماں کو رقم دینا پڑتی تھی اس کے علاوہ تمام
کھڑکیوں کے نئے شیشے بھی ڈلوانے پڑتے تھے یہ تینوں ہی لڑکے بہت
بگڑے ہوئے تھے۔ مگر یہ درمیان والا لڑکا چونکہ شکل و صورت میں
دوسرے لڑکوں سے کم تھا اس لئے جب بھی باپ نے بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ
کرنا ہوتی تو نظر انتخاب اس درمیان والے لڑکے پر ہی پڑتی تھی
یوں دوسروں کے حصے کی ڈانٹ پھٹکار اس لڑکے کو ہی سہنی پڑتی تھی
حالانکہ چند ایک بار دوسرے لڑکوں نے ملازمین پر بندوق بھی تان لی
تھی۔ مگر یہ بات تو رؤسا کے لئے عام اور معمولی بات ہوتی ہے نا، مگر
اس واقعہ کے بعد سے باپ نے اتنا کیا کہ اس نے اپنی بندوق کو تالے
میں بند رکھنا شروع کر دیا تاکہ بیٹوں کے ہاتھوں کوئی خون نہ ہو جائے
اور جب باپ نے خود ہرن کے شکار کے لئے دوستوں کے ساتھ جانا
ہوتا تب ملازم سے بندوق صاف کروا کر ساتھ لے جاتا تھا۔ مگر آج...
... آج سہیل نے دیکھ لیا تھا کہ باپ اپنی بندوق کو الماری میں
رکھ کر مقفل کرنا بھول گیا تھا۔
کیونکہ کل رات جب وہ اپنے دوستوں کے ساتھ ہرن تیتر اور
مرغابی کا شکار کر کے لوٹا تو کافی تھک چکا تھا اپنی خوشی
اور تھکن کے باعث اپنی بندوق کو تالے میں بند کئے بغیر ہی

کھانے سے فارغ ہو کر سو گیا تھا اور اگلی صبح اچانک ایمرجنسی میں
دوسرے شہر جانا پڑ گیا کیونکہ دوسرے شہر کی کوٹھی میں ڈاکہ
پڑ گیا تھا اور پولیس ملازمین کو شامل تفتیش کر کے پکڑ
کر لے گئی تھی اسی افراتفری میں اور بھاگم بھاگ میں باپ کو
جانا ضروری ہو گیا اور وہ بندوق اسی میں بندوق کو تالے میں
بند کر کے رکھنا بھول گیا۔ اور اب بندوق سہیل کے ہاتھ چڑھ چکی
تھی۔ اس لئے سہیل اپنے ہم عمر دوستوں کے ہمراہ مرغابی
کا شکار کرنے نکل کھڑا ہوا تھا۔ ماں باپ کے ملتے جلنے والوں کے نادان
یہ سب لڑکے چودہ سے سولہ سال عمر کے ہوں گے یعنی سب تو عمر الھڑ
نوجوان چونکہ جوانی کے نشے میں چور ہاتھوں میں اسلحہ لئے خود
کو تیس مار خان تصور کئے ہوئے اپنے قریب کے علاقے میں
ایک جھیل پر پہنچے سہیل کا نشانہ اچھا تھا مرغابیاں جھیل پر
تیر رہی تھیں سہیل نے جلدی سے مرغابی کا نشانہ لے کر فائر کر
دیا نشانہ خطا نہ گیا مرغابی زخمی ہو گئی سہیل نے جلدی سے جھیل
میں چھلانگ لگا دی اسے تیرنا آتا تھا اس نے سوچا زخمی مرغابی کو
جھیل سے نکال کر ذبح کر لیا جائے اگر مرغابی مر گئی تو بیکار
میں ضائع ہو جائے گی

ابھی سہیل تیر کر مرغابی تک پہنچ نہ پایا تھا کہ اس نے غوطے
کھانے شروع کر دیئے اور ابھرتے ڈوبتے اپنے ساتھیوں کو
پکارا کہ کچھ کرو میں تو ڈوب رہا ہوں۔
مگر سہیل کے دوست تو اچھی طرح جانتے تھے کہ سہیل بہت اچھا
تیراک ہے دوستوں نے سمجھا کہ وہ یوں ہی ہمیں ڈرا رہا ہے
یہ کہہ کر کہ میں تو ڈوب رہا ہوں وہ سب اس کے اس مذاق
پر ہنس رہے تھے اس لئے وہ سب کنارے پر ہی کھڑے کھڑے اس کی
شرارت اور ڈوبنے کی ایکٹنگ پر ہنستے رہے اور لطف اندوز
ہوتے رہے یہاں تک کہ دیکھتے ہی دیکھتے سہیل سب کی نظروں
سے اوجھل ہو گیا سارے دوست منہ اٹھا کر اس کے ابھرنے
کے منتظر تھے کہ ابھی سہیل پانی سے اوپر ابھرے گا اور ہنستا
ہوا باہر آ جائے گا اور کہے گا تم سب کو ڈرا دیا نا! کیسی رہی میری ایکٹنگ
مگر سہیل کو نہ ابھرنا تھا نہ ہی ابھرا۔ تب تو سب دوستوں کے منہ
کھلے کے کھلے ہی رہ گئے۔ وہ حیران تھے کہ یہ کیا ہو گیا ہے اور کیسے

ہو گیا ہے جب کہ سہیل تو بہت اچھا تیراک تھا کتنی ہی دیر سارے دوست
مبہوت کھڑے دیکھتے رہے پھر جب ذرا ہوش و حواس نے ساتھ دیا تو
سب دوست ڈر کر ایک جگہ بیٹھ کر روتے رہے کسی کی عقل سمجھ کام
نہیں کر رہی تھی چند گھنٹے حواس باختہ بیٹھے روتے رہے پھر خاموشی
سے اٹھ کر اپنے اپنے گھروں میں لوٹ گئے مگر کسی میں اتنی ہمت یا
جرآت نہیں تھی کہ اپنے گھر والوں کو کچھ بتا سکیں کہ کیا ہو چکا
ہے۔ غالبًا عصر کے بعد ایک بچے نے ڈرتے ڈرتے اپنی والدہ کو بتایا
تو اسی وقت سب کے گھروں میں اطلاع کر دی گئی
ساری خواتین جمع ہو کر سہیل کی امی کے پاس آ گئیں
ہر شہر میں ہر عزیز رشتہ دار کو دوست احباب کو خبر مل گئی
ریڈیو اخبارات میں بھی نشر و اشاعت ہوئی۔ سہیل کی تلاش
بھی جاری تھی اندھیری رات میں لالٹین اور ٹارچوں کی
روشنی میں کشتیوں میں بیٹھ کر بڑی لمبی لاٹھیوں کو
پانی میں ہلاتے چلاتے صبح ہو گئی مگر سہیل کی لاش نہیں مل سکی اگلی
صبح شام میں ڈھل کر رات کے اندھیروں میں چھپ گئی سہیل کی تلاش
مسلسل جاری تھی اگلی صبح بھی ڈھلتے ڈھلتے رات کی گود میں چھپ
کر بیٹھ گئی مگر سہیل نجانے کہاں چھپ کر بیٹھ گیا تھا کہ لوگ ڈھونڈتے
ڈھونڈتے تھک ہار چکے تھے مگر سہیل کا سراغ نہ مل سکا آخر کار
تیسرے دن کھاریاں سے فوجی غوطہ خور منگوائے گئے اور پھر
ان فوجی غوطہ خوروں نے جھاڑیوں میں الجھی پھنسی سہیل کی
لاش کو ڈھونڈ نکالا اور وہ جوان سہیل کو گھر لے کر آئے۔
دراصل یہ جھیل کسی زمانے میں اینٹوں کا بھٹہ ہوا کرتا تھا لیکن
جب بھٹہ ختم کر دیا گیا تو اس گہرے گڑھے میں سال ہا سال سے
بارشوں کا پانی جمع ہوتے ہوتے ایک جھیل کی صورت اختیار کر
گیا اب اس گدلے پانی پر کائی جم چکی تھی اور اس کی تہہ میں
لمبی لمبی جھاڑیاں اگ آئی تھیں اسی لئے جب سہیل نے مرغابی
شکار کر لی تو جھیل سے مرغابی نکالنے کے لئے پانی میں چھلانگ
لگا دی مگر ان نامراد جھاڑیوں نے سہیل کے پاؤں سے لپٹ کر
اسے تیرنے ہی نہ دیا۔ وہ جتنا زور لگا کر تیرنے کی کوشش کرتا اور الجھتا گیا جھاڑیوں
نے سہیل کو ایسا جکڑا کہ وہ بے بس ہو کر رہ گیا سہیل بیچارہ تیرنے
کے لئے جسقدر زور لگاتا اسی قدر وہ لمبی جھاڑیوں میں دھنستا
پھنستا چلا گیا۔
یہاں تک کہ موت کی آغوش میں سکوت کی نیند سو گیا
بہر حال تیسرے دن سہیل کی لاش ڈھونڈ کر گھر لائی گئی۔ تو اس کی

ماں کو غش پہ غش آ رہے تھے۔ افسوس کے لئے امراء وزرا اور
عزیز و اقارب کیا اپنے پرائے یعنی سارا جہان امڈا پڑا تھا۔
جنازے کا منتظر ..... بس قیامت برپا ہو چکی تھی۔ سہیل کی
امی کو تو صبر آتے آتے کئی سال گزر جائیں گے چالیسویں تک
بہت آمد و رفت رہی اس کے بعد آہستہ آہستہ حالات معمول
پر آتے گئے۔ مجھے آج بھی یاد ہے سہیل کا ایک دانت نچلے ہونٹ
میں چپک کر چند قطرے خون بھی جم چکا تھا اسکی ایک ٹانگ
دوہری ہو چکی تھی اس کے بازو بھی اسی انداز میں اکڑے
ہوئے تھے جس حالت میں وہ تیرنے کے لئے زور لگا رہا تھا
اس واقعہ کو پانچ سال گزر چکے تھے جب یہ دوسرا واقعہ
رونما ہوا۔ عید الضحیٰ کی آمد آمد تھی سب خوشیوں کے جھولے جھول رہے تھے
اس دن بھی جمعہ تھا جب سہیل کا چھوٹا بھائی اپنی ماں سے تکرار
اور ضد کر رہا تھا کہ مجھے پانچ ہزار روپے ابھی اور اسی وقت
دے دیں۔ وہ کافی بدتمیزی کر رہا تھا اور ماں مسلسل انکار کرتی تھی
ادھر ماں کا کہنا تھا کہ تم بتاؤ صبح اپنے باپ سے کتنی رقم لی تھی اور
کدھر ضائع کر دی ہے اور اب اکٹھے پانچ ہزار روپے کس واسطے
چاہئیں۔ جاؤ بھاگ جاؤ میرے پاس اتنے فالتو روپے نہیں ہیں کہ میں
تمہاری عیاشیوں پر ضائع کرنے کے لئے دے دوں
جاؤ اپنے باپ کو فون کرو وہ چاہے تمہیں جتنی رقم دے وہ لے
کر جاؤ اور موج میلہ کرو۔ مگر تم میری جان چھوڑو۔ بخشو مجھے جاؤ۔
جبکہ وہ لڑکا بدتمیزی کر رہا تھا۔ آخر اس لڑکے نے اپنی ماں کے ہاتھ
سے جھپٹ کر پرس چھین لیا اور نوٹوں کا بنڈل نکال لیا۔ جب ماں نے
اپنی رقم واپس لینے کی کوشش کی تو لڑکے نے ماں کا بازو مروڑ کر
روپوں کا بنڈل چھینا اور بھاگ کر دوسری طرف کے کمرے میں چلا
گیا۔ لڑکے نے ماں کا بازو مروڑا اور رقم چھین لی تکلیف کی شدت میں
بے ساختہ ماں نے غضب ناک ہو کر بددعا دی کہ اللہ کرے تم پر
بجلی گرے اور تم جل کر مر جاؤ سب کچھ چند سیکنڈ میں ہو چکا تھا ابھی ماں
اپنے بازو کو سہلاتے ہوئے بجلی گرنے کی بددعا کر رہی تھی کہ ماں
کے لبوں سے نکلی بددعا شرف قبولیت پا گئی اسی لمحے یکدم آسمان سے
بجلی گری اور صحن میں لگا بلب جو کہ جل رہا تھا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر صحن
میں بکھر گیا ابھی صرف ایک لمحہ پہلے وہ لڑکا اس بلب کے نیچے سے ہو
کر گزرا تھا شائد بجلی کا نشانہ چوک گیا تھا جو وہ لڑکا بچ گیا تھا
میرا خیال ہے کہ اپنی ماں کی ممتا دعائے خیر تو سچے دل سے کرتی ہے

اور دل کی گہرائیوں سے اپنے بچوں کی خیر خواہ ہوتی ہے مگر اپنی اولاد کو بددعا کبھی سچے دل سے نہیں دے سکتی اسی لئے اس وقت یکدم آسمان سے بجلی گری اور صحن کا بلب چٹخا ٹوٹ کر بکھر گیا ابھی ایک لمحہ قبل وہ بدتمیز لڑکا اس بلب کے نیچے سے گزر کر گیا تھا وہ تو بچ گیا مگر ممتا اپنی تکلیف بھول کر اپنے بیٹے کے لئے تڑپ اٹھی اور بلکتے ہوئے کہا ارے کوئی دیکھو میرے بیٹے کو تو کوئی آنچ نہیں آئی۔ میرا بچہ تو ٹھیک ہے؟ یا اللہ خیر یا اللہ رحم کر دیجئے اور بیٹا بے غیرت صحن کے دوسری طرف کمرے کے دروازے میں کھڑا ہو کر ہنس رہا تھا اور بیقرار ممتا کو دیکھکر لطف اندوز ہو رہا تھا اور ماں کو کہہ رہا تھا کہ اے اور بددعا دو اور پھر خود ہی بیٹھ کر رونا پڑے گا اور مجبور ماں بار بار دامن پھیلا کر اللہ کریم سے اپنے بیٹوں کے لئے خیریت مانگ رہی تھی

یہ واقعات چالیس سال پہلے کے تھے اور آج پھر کسی کی ممتا کڑی آزمائش سے گزر گئی۔ ابھی ابھی تو ہنستا مسکراتا پچیس سال کا بھرپور نوجوان بیٹا گھر سے نکلا تھا مگر واپس لوٹ کے گھر نہ آسکا۔ اس کی موت نے اس کے وجود کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا تھا تھوڑی دیر قبل میری بہن کا فون آیا تو اس نے بتایا کہ طاہرہ کا بڑے والا بیٹا فوت ہو گیا ہے۔ ارے کیا ہوا؟ ابھی چند دن پہلے ہی تو سنا تھا کہ اس کی 25 ویں پچیسویں سالگرہ بڑی دھوم دھام سے منائی گئی تھی مجھے عطیہ نے بتایا تھا کہ ان لوگوں نے کافی دھوم دھڑکا کیا تھا۔ وہ لڑکا تو اچھا بھلا صحت مند تھا یکدم فوت کیونکر ہو گیا؟ میرا خیال ہے تم کو کسی نے غلط خبر دی ہے نہیں باجی ابھی آسیہ کا فون آیا تھا اس نے بتایا ہے کہ نادیہ لوگوں کا فون آیا ہے وہ لوگ جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔

ارے یہ ہو کیا ہے؟ یہ ہو کیسے گیا؟ میں نے پھر پوچھا تو بتایا گیا۔ کہ ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا لڑکا تو موقع پر ہی جاں بحق ہو گیا ہے مگر وہ تھا کہاں؟ کیا کر رہا تھا؟ کس کے ساتھ تھا؟

میرے خیال میں تو وہ سعودی عرب ملازمت کر رہا تھا۔ کیا حادثہ باہر ملک میں ہوا ہے؟ یا وہ لڑکا پاکستان آیا ہوا تھا؟ مجھے ابھی تو زیادہ خبر نہیں ہے۔ میری بہن نے بتایا اور کہا کہ کل میں پاکستان فون کر کے پتہ کروں گی تو آپ کو بتا سکوں گی۔

اگلا دن فون کر کے معلومات حاصل کی گئیں تو پتہ چلا کہ دونوں

ماں بیٹی صدمے کی وجہ سے بیہوش پڑی ہیں شوہر تو تین سال
ہوتے کو آئے وفات پا چکا ہے۔ بڑی لڑکی کی شادی کی تھی اس کا شوہر
اسے لے کر آسٹریلیا چلا گیا تھا۔ دوسری بیٹی ایم۔اے کرنے کے بعد
ملازمت کرنے لگی تھی۔ تیسرے نمبر پر یہ لڑکا تھا جو کہ سعودی عرب میں
نوکری کرنے گیا ہوا تھا۔ اس سے چھوٹے بھی دو لڑکے تھے ان دونوں نے
ایک سال پہلے دوبئی میں ملازمت شروع کی تھی۔ لڑکوں میں یہ لڑکا
سب سے بڑا تھا جو اب تین سال بعد چھٹی پر گھر آیا تھا اور اس روز
اپنے چند دوستوں کے ساتھ قربانی کے لئے بکرے خریدنے گیا تھا بکرے
خرید لئے تو ایک ٹرک میں بکروں کو ڈال کر دو دوستوں کو
بکروں کے ساتھ ٹرک میں گھر بھیج دیا اور یہ چاروں دوست
گاڑی میں گھر آ رہے تھے کہ ایک ٹرالے کے ساتھ ایکسیڈنٹ ہوتے ہی
دو دوستوں کا تو بڑی گوشت ملیدہ ہو گیا تیسرے کی ٹانگیں
کٹ گئیں وہ بھی ہوسپٹل پہنچتے تک جاں بحق ہو گیا چوتھے لڑکے
کا بازو ٹوٹنے کے علاوہ بھی کافی چوٹیں آئیں تھیں مگر چونکہ زخم
جان لیوا نہ تھے۔ اس لئے اس لڑکے نے تکلیف کے باوجود اپنے تینوں
دوستوں کے جنازوں میں شرکت کر لی اور اسی کی زبانی حادثے
کی روداد سنی گئی۔ طاہرہ کے بیٹے کے پورے وجود کا قیمہ ہی
بن گیا تھا صرف ایک ہونٹ بچ سکا تھا۔

تینوں بھرپور نوجوان صحت مند اور کھلنڈرے لڑکوں کے
اس طرح یکدم وفات پانے پر ان کے گھروں میں تو قیامت
اتر آئی تھی کسی بھی سننے والے کو تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا
مگر ہونی تو ہو چکی تھی جب میری بہن نے ان کے گھر فون کیا تو ان
کی پڑوسن نے فون اٹھایا اس کا کہنا تھا کہ گھر والی اور اسکی بیٹی بھی
یعنی دونوں ماں بیٹی تو صدمے کی وجہ سے بیہوش پڑی ہیں
گھر میں کوئی مرد بھی نہیں ہے۔ اس لئے محلے والوں نے ہی مل جل
کر جنازے کا سارا انتظام کر کے کفن دفن کر دیا ہے

میں سوچ رہی تھی کہ بڑی لڑکی جو کہ آسٹریلیا بیاہ کر جا چکی
ہے اسے یہ خبر سن کر کیسا لگا ہوگا وہ وہاں پر کتنا روئی تڑپی
ہوگی۔ نجانے اس کے پاس کوئی دلاسہ دینے والا بھی تھا کہ نہیں
مجھے یاد آتا ہے کہ ایک وہ بھی وقت تھا جب میرے والدین گیارہ
دن کے وقفے سے وصال پا گئے تھے اس وقت میرے بچے چھوٹے تھے
گھریلو حالات بھی ٹھیک نہ تھے اس پر کاروبار کی بھی ساری
ذمہ داری میرے ہی سر تھی اس کے علاوہ بھی اور بہت سارے

مسائل مشکلات اور پریشانیاں بے پناہ تھیں جن کے سبب
میری صحت بری طرح متاثر ہو چکی تھی۔ میں حوادث کی چکی
میں پیس رہی تھی طوفانوں میں گھر کر بھی اپنے بچوں کو پال
رہی تھی اور پڑھا رہی تھی۔ ایسے حالات میں پاکستان جانے
کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا مگر اللہ رحمان و رحیم
کے کرم سے اور میرے آقا و مولا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ پاک رحیم
و کریم کی لازوال رحمت و شفقت سے بہت سے طوفانوں میں
گھرنے کے بعد میں آخرکار اس بھنور سے نکلنے میں کامیاب ہو ہی
گئی میرا برا یعنی بہت برا وقت گزر ہی گیا اب جیسے تیسے
زندگی کو میں گزار رہی ہوں یا پھر زندگی مجھے روندتی پھلانگتی
گزرتی جا رہی ہے یہ ایک الگ کہانی ہے مگر میں سوچتی ہوں کہ یہ
جوان گھبرو اپنے گھروں سے ہنستے کھلکھلاتے چلے تھے کہ
جا کر قربانی کے جانور خرید لے آئیں۔ عید کے دن ذبح کر لیں گے۔
جانور خرید تو لئے تھے مگر آہ ان بچوں کی اپنی زندگی نے وفا نہ کی
اور وہ بچے بیٹیوں میں جکڑے اپنے وجود کے ذرات کو سمیٹے اپنے
والدین کے آنگن میں الوداعی سلام کرنے اور دائمی رخصت لینے
آ گئے ہیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۰ میں اکثر سوچتی ہوں کہ
ان ماؤں کے دل و دماغ کو سکون اور آرام کیونکر مل سکے گا سال
دو سال میں ہولے ہولے آنکھوں سے آنسو خشک ہو جائیں گے۔
آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کچھ تھوڑا بہت صبر و قرار
آ ہی جائے گا۔ مگر ہر سال عید الضحیٰ تو آئے گی نا اور اپنے ساتھ
ان لڑکوں کے ساتھ بیتے حادثے کی یاد بھی لے کر آئے گی ان بچوں
کے والدین کے کلیجے پر لگے زخموں کے مندمل ہوتے زخموں کو کریدتی
چلی جائے گی بیشک اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ موت سے
کسی کو بھی مفر نہیں ہے جو بھی دنیا میں آیا ہے وہ موت کا مزہ بھی چکھے
گا جس کو جب اور جہاں موت آنا ہو گی آ کر ہی رہے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ
مالک الملک کی مرضی پر منحصر ہے کس کو کس انداز سے موت کی وادی
میں اتارے اور کب زندگی کی نعمت یعنی اپنی عطا کردہ امانت واپس لے لے۔
کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے جن کے جگر گوشوں کو بھر
پور جوانی میں اس جہاں سے اٹھا لیا اور والدین کو کڑی آزمائش سے گزارتے
ہوئے جانے کیا سوچا ہو گا اس بے نیاز کے بھید کون جان سکتا ہے۔ ہم سب بے بس آمین
کہنے پر مجبور ہیں

یہ کیا کیا مجھے اپنا بنا کے چھوڑ گئے 1

کیسی کالی اور گھنی گھٹائیں اٹھی ہیں جنہوں نے آسمان اور زمین کے درمیان میں ایک موٹا سا کالا سیاہ پردہ تان دیا ہے۔ اب اگر میں چاند کو دیکھنا چاہوں تو بھی نہ دیکھ سکوں گی۔
یہ کالی گھٹائیں جو راہ میں حائل ہو گئی ہیں۔ مجھے ایسے لگ رہا ہے جیسے یہ گھٹائیں یوں ٹوٹ کر برسیں گی کہ جل تھل ایک کر کے رکھ دیں گی۔ اور لگتا ہے کہ جب طوفانِ بادوباراں آئے گا تو مجھے بھی ایک حقیر تنکے کی طرح بہا کر ساتھ لے جائے گا۔ میں جو تمہاری یادوں کے صحرا میں تن تنہا کھڑی ڈوبتے دل کو تھامے تمہاری راہیں دیکھ رہی ہوں۔ ڈر رہی ہوں کہ کہیں سچ مچ ایسا نہ ہو کہ طوفانوں کے تھپیڑے مجھے اپنے ساتھ بہا کر لے جائیں اور میں طوفانی لہروں کے ساتھ ابھرتی ڈوبتی ٹھوکریں کھاتی پتھروں سے سر ٹکراتی تمہیں پکارتی رہ جاؤں پر میری آواز تم تک پہنچے ہی نہ پائے ایسے میں کیا خبر میرا کیا انجام ہو۔ اللہ ہی جانے اور پھر اگر کبھی بھولے سے بھی تمہیں اپنی شانو کی یاد آجائے اور تم مجھے ڈھونڈنے نکلو تب بہت دیر ہو چکی ہو اور وقت ہاتھ سے نکل چکا ہو فاصلے بڑھ چکے ہوں اور پھر پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے۔ یوں تو فاصلے پہلے ہی بہت ہیں۔ اس کے باوجود تیری یہ داسی تجھے یعنی تیری مورت کو اپنے من مندر میں رکھے تجھے پوجا کرتی ہے تیری سچی پجارن جو ہوئی کیونکہ تم ہی تو میرے من مندر کے دیوتا ہو میرے مجازی خدا جو ٹھہرے۔
میرے دیوتا تیری یہ پجارن ہر روز اشکوں کے ہار اپنے دیوتا کے قدموں میں ڈالتی ہے ہر رات حسین یادوں کے دیپ جلاتی ہے ہر صبح آہوں اور نالوں کے بھجن تیری مورتی کو سناتی ہے اور پھر میں تو سوچتی ہوں نجانے کب میرا چندا مہربان ہو کر آجائے یا پھر وہ مجھے اپنے پاس بلا لے ورنہ تو چکوری کی پہنچ چندا تک ممکن ہی نہیں ہے چندا اس رات میں نے خواب دیکھا تھا کہ جیسے میں ایک سرخ عروسی جوڑے میں ملبوس ایک قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہوں اور میں نے اپنے ماتھے پر ٹیکہ بھی سجا رکھا ہے میری ہتھیلیوں پر مہندی کھل رہی ہے مہک رہی ہے میری کلائیوں کی چوڑیاں پیا ملن کے گیت گنگناتی جا رہی ہیں میری سوچیں انجانے اندیشوں سے گھبرا اور شرما رہی ہیں پھر ایک دم سے میرا چہرہ دو ہاتھوں کے پیالے نے اپنی گرفت میں لے لیا تب ایک گرم گرم بوسہ بھی میرے ہونٹوں پر ثبت کر کے

مجھے اپنی باہوں میں جکڑ لیا اور میرے سارے وجود میں ایک نشہ بھر دیا گیا۔ کتنے مسحور کن تھے وہ لمحات جب میرا چاند میرے سر کا تاج میری حیات کو سدا جگمگاتی روشنیوں سے منور رکھنے کے حسین وعدے کر رہا تھا اور سدا بہار خوشیوں کے جھولے جھلانے کی آس دلا رہا تھا۔ اور اپنے پیار کے ساغر پلا رہا تھا۔ اے کاش اے کاش وہ لمحات دائمی ہوتے۔ مگر۔۔ مگر وہ تو ایک خواب تھا بس ایک اچھوتا خواب ہی تو تھا اور خوابوں کا کیا ہے بنتے ہیں اور بگڑ جاتے ہیں مگر میرے چندا یہ پاگل دل نہیں مانتا یہ پگلا ہے نادان ہے نا بچوں کی طرح چاند کو پانے کے لئے ضد کر رہا ہے منوا کا من اپنے چندا کو دھڑکنوں میں بسا لینے کو مچلے جا رہا ہے۔ اور جب میرے خوابوں میں چندا نے جو آس دلائی تھی منوا کا اصرار ہے کہ وہ خواب نہیں ایک حقیقت تھی پگلا نہیں سمجھتا کہ آسمان پر سجا چاند زمین پر کیونکر اترا ہوگا تم ہی کہو بھلا تم نے کبھی اپنی دودھیا چادر اوڑھا کر اور دنیا کی نگاہوں سے چھپا کر مجھے پیار کے گیت سنائے تھے یا کبھی اپنی باہوں کا ہار میرے گلے میں ڈالا تھا؟ یا کبھی میرے من میت ہونے کا یقین دلایا تھا؟؟؟

ان دنوں میں خوشیوں کے جھولوں میں جھول کر خود ہی اپنی مانگ میں افشاں بھرنے لگی تھی کیسی نادان تھی میں۔ جیسے کیسے چندر راتیں چاندنی میں کیا سو لیا بھول ہی گئی کہ جب اندھیری راتیں آتی ہیں تو چور اچکے لٹیرے بھی راہیں مارنے لگتے ہیں اندھیرا چھا جائے تو راہی راستہ بھول جاتے ہیں۔ قافلے لٹ جاتے ہیں۔ چندا بھلا اس میں تمہارا کیا قصور؟ سارا قصور تو میری تقدیر کا ہے جو کالی چادر اوڑھ کر اندھیری نگری میں پڑ کر سو گئی ہے پتہ ہے کل پنگھٹ پر پانی بھرتے میں پیتل کی گاگریا سے ٹکرا کر میری ساری چوڑیاں چھن سے ٹوٹ کر گر گئیں۔ جس کی وجہ سے میری ساری سکھیاں فال لینے لگیں۔ کیا ایسی ہوتی ہیں سہیلیاں؟

اور یہ شمو تو بڑی ہی منہ پھٹ ہے کیسے منہ پھیر کر کہہ دیا کہ تیرا سہاگ تو کسی فرنگن نے سنبھال لیا ہے جبھی تو تیری چوڑیاں یوں ٹوٹ کر کنارے میں جا پڑی ہیں۔ اور وہ تارو بھی کہہ رہی تھی کہ تیرا چندا تو اپنے جیسی کسی اجلی اجلی نار کو باہوں میں سمیٹے پڑا رہتا ہوگا وہ تو تجھے بھول کر بھی یاد نہیں کرتا ہوگا۔ تم بھی مان لو۔

چھیں تو تجھے چھٹی پتر نہیں ڈالتا کبھی پیسے بھی خرچہ کے لئے نہیں تجھے
بھیجے ارے گھر والے ایسے تھوڑی ہوتے ہیں اور نجانے شمسہ نے بھی
کیسی کیسی باتیں کیں۔ پیر میں نے بھی ان سب کو خوب سنائیں۔
کمبخت ٹلتی جو نہ تھیں۔ تم کہو چندا بھلا ایسا کبھی ہو سکتا ہے؟ نہیں ہو
سکتا ناں؟ تو تو کبھی بھی ایسا ویسا گندہ کام نہیں کرتے کا ہے ناں؟
تم جانو ان فرنگیوں سے کیسی بری بو آتی ہے کہ ناک نہ دے سکو۔۔۔
ارے یہ تم کیا سوچنے لگے؟ یہی ناں کہ یہ سب مجھے کیسے معلوم؟ نہ کبھی
ولائت دیکھا نہ ہی فرنگی پھر یہ کیسے جانا کہ ان لوگوں سے بدبو آتی ہے
لو تو یہ کونسی ڈھکی چھپی بات ہے کہ اس گندی کافر قوم سے کفر کی
بدبو آتی ہے بھلا سے تھوبڑے پر کتنا ہی کریم پوڈر تھوپ لیں اور
باہر سے کتنے ہی چمکے دمکے رہیں پلید ہیں ناں اسی لئے اندر سے تو گندے
ہی ہوتے ہیں۔ تم بتاؤ میں نے کچھ غلط کہا ہے؟ بتاؤ یہ سب سچ
ہے ناں؟ سارے کافروں سے کفر کی بدبو آتی ہے۔ سچ کہہ رہی ہوں ناں؟
ویسے بھی ایک بار ماں انگریزی فراک کسی کباڑیئے سے خرید کر گھر
لے آئی تھی وہ بھی کسی میم کی اترن تھی مجھے تو اتنی بدبو آتی تھی کہ
میں نے صاف کہہ دیا ماں تم چاہے کچھ بھی کہہ لو میں فرنگن کی اترن
بالکل بھی نہ پہنوں گی۔ میں کسی کی اترن کیوں پہنوں تم اسے پھینک دو۔
اور آج پنگھٹ پر جب ساری سکھیاں کہہ رہی تھیں ناں۔۔
کہ تیرا چندرا تو کسی فرنگن کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہوگا اور تجھے تو
بھولے سے بھی یاد نہ کرتا ہوگا۔ تو مجھے کتنا برا لگا تھا۔ بھلا یہ کیسے
ہو سکتا ہے۔ بھلا میں کیا کسی فرنگن کی اترن سے اپنا سر ڈھانپوں گی
نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ گہنا یا ہوا چندرا میرے من کو نہیں بھائے گا۔
چندرا تم کہہ دو یہ سب جھوٹ ہے کہو کہ تمہارا دامن میلا نہیں ہوا بولو
کہ تمہارا استر نہیں کھلا! تم ناپاک نہیں ہوئے تم گنہگار نہیں ہو بولو ناں۔
ورنہ یہ شک یہ شبہے یہ لوگوں کی باتیں میرا سکون چھین لیں گی
میرا قرار لوٹ لیں گی میں دیوانی ہو جاؤں گی میں اپنے من
میں اٹھتے طوفان میں بہہ کر جان دے دوں گی۔ چندرا تم میری
باتیں سن رہے ہو ناں۔ بولو جواب دو۔ کچھ تو کہو!
اور سنو چندرا آجکل آم پک گئے ہیں دن بھر تو جیسے تیسے گھر داری
کرتے گزر ہی جاتا ہے مگر یہ رم جھم کرتی اندھیری راتیں اور
اس پر پپیہے کی پی کہاں پی کہاں کی آواز تو اس تنہائی کو اور
بھی جان لیوا بنا دیتی ہے۔ جانے اب ہم کب ملیں گے؟

چندا تم نے تو کہا تھا ولائت پہنچتے ہی ویزا بنوا کر بھیج دوں گا
مگر تین ساون تو بیت گئے ہیں۔ تم تو اپنی خیریت کی چٹھی بھی
نہیں بھیجتے کیا بات ہے مجھے بتاؤ کیا سچ مچ تم مجھے بھلا بیٹھے ہو
ارے ظالم وہ ---- راتیں ---- اور وہ باتیں ۔ ۔ کیا بھلائی
جاتی ہیں ؟ مجھے بتا یہ تو نے کیا غضب کیا ؟ جو مجھے اپنا بنا کر
ایسے اچھوتے سپنے دکھا کر پھر مجھے اکیلے چھوڑ گیا۔ رات دن تڑپنے کے لئے
ارے ظالم مجھے بتا کہ میری خوشیوں کے پھول کب کھلیں گے ؟ کب؟
اور ستو وہ جو شیداں تھی ناں وہ اب ماں بن گئی ہے سچی کتنا
خوش ہے اس کا گھر والا پھولا نہیں سماتا کہ ان کے چمن میں ایک
ننھا سا پہلا پہلا پھول کھلا ہے ۔ سچ بتا نا تیرا دل کیا کہتا ہے ؟ تو باپ کب بنے گا؟
اور ہاں ستو ماں کو تسلی کا خط ضرور لکھنا ۔ دشمن تمہارے
خلاف نجانے کیا کیا جھوٹی سچی کہانیاں گھڑ گھڑ کر ماں کو بہت
ڈراتے اور دکھی کرتے رہتے ہیں اور ماں بھی بہانے بہانے روتی
رہتی ہے ماں کی صحت بھی اب پہلے جیسی نہیں رہی بڑا غم کھاتی ہے۔
ماں کہتی ہے کہ اللہ نہ کرے اگر یہ ساری باتیں سچی ہوئیں تو پھر کیا
ہوگا؟ پر میں سچی بتاؤں تو مجھے لوگوں کی باتوں کا یقین بالکل
بھی نہیں آتا میں تو ماں سے بھی کہتی ہوں کہ میرا چندا ایسا گھٹیا
تھوڑی ہے جو گھر کی دال روٹی چھوڑ کر غیروں کی چاٹی تھوکی ہوئی
ہڈیاں چچوڑے گا ۔ ماں میرا چندا تو بڑا اسیانا ہے وہ ایسا نہیں ہے ۔
پر لاکھ سمجھاتے پر بھی ماں نہیں مانتی ۔ وہ مجھے کہتی ہے کہ تو ناسمجھ
ہے تو ابھی دنیا کی چالبازیاں نہیں جانتی اس لئے یہ باتیں تیری سمجھ
میں نہیں آتیں۔ اب میں ماں کو کیسے سمجھاؤں اور کیا کہوں ؟
چلو تم خود ہی خط لکھ کر ماں کو حوصلہ دینا تبھی اس کا
دل ٹھہرے گا ۔ ورنہ تو وہ نڈھال ہو کر رہ گئی ہے ۔ بہت غم کھاتی ہے ۔
اچھا اب تم اس خط کا جواب ضرور دینا میں تو پہلے بھی کتنے
ہی خط ڈال چکی ہوں مگر تم تو کچھ لکھتے ہی نہیں ہو۔ رب تم
سچ کہنا کبھی میں تجھے یاد نہیں آتی ؟ کیا میری باتیں تجھے یاد نہیں آتیں ؟
میں نے تو تمہارے سارے کھلونے بڑے پیار سے سنبھال کر
رکھے ہوئے ہیں اچھا اب خط کے جواب آنے تک اللہ حافظ

اپنے چندا کی
اپنی ستو

786

دلیس پردلیس

آج کتنے ہی دنوں بعد دھوپ نکلی تھی۔ ہوا میں خنکی بھی محسوس نہ ہو رہی تھی۔ اور سونے پر سہاگہ یہ کہ آج اتفاق سے چھٹی کا دن بھی تھا۔ شیو بناتے کے ساتھ ساتھ میں یہ سوچ رہا تھا کہ چھٹی کا دن کیسے گزارا جائے کہاں اور کس کے ساتھ گزاروں ؟؟؟ یہ سنہری دھوپ اور اجلا اجلا دن پھر نجانے کتنے دنوں بعد نصیب ہو۔ اور اتنے اچھے دن کو گھر پر ٹیلی ویژن دیکھتے گزار دینا یقیناً زیادتی ہوگی۔ یونہی سوچتے سوچتے میں نے فیصلہ کیا کہ آج کا دن اپنے دوست ریاض کے ساتھ سمندر کے کنارے گزارنا بہتر رہے گا۔ کچھ کشتی رانی بھی ہو جائے گی اور پھر ہم پھولوں کے کنج میں بیٹھ کر گپ شپ بھی کر لیں گے دھوپ سے لطف لینے کا بھی ایک موقعہ ہے ورنہ تو اس ٹھٹھرے اور دھندلائے ملک میں اپنوں سے دور تنہائی میں عجیب سی اداسی اور بے کیفی چھائی رہتی ہے

کتنی مصروف اور تھکا دینے والی زندگی ہے۔ ہر وقت افراتفری اور بھاگم بھاگ مچی رہتی ہے گھر اور باہر کے سبھی کام بھاگتے دوڑتے خود ہی نمٹاؤ ورنہ یہاں پر کون تمہارا بازو بنے گا ؟ اگر کبھی فرصت مل جائے تو گھر میں بیٹھ کر ٹیلی ویژن پر فلمیں دیکھ کر وقت گزار لو۔ کوئی اپنا نہیں کوئی سنگا نہیں جو دکھ سکھ بانٹ لے۔ خوشی کا کوئی لمحہ بھولے سے اگر دروازہ کھٹکھٹا دے تو ادھوری سی خوشی کا احساس ہوگا اور کوئی غم یا دکھ ہو تو بھی کوئی بانٹنے نہیں آئے گا۔ اور آج تو دل روزانہ سے بھی زیادہ اداس ہوا جا رہا ہے اسی لئے چاہتا ہوں باہر گھوم پھر کر دل بہلایا جائے اور یہ ہی سوچ کر بھاگم بھاگ ٹیوب سٹیشن پہنچا اور پھر جلد ہی اپنے بیلی کے گھر پہنچ گیا۔ ریاض ابھی نہا کر غسل خانے سے نکلا تھا۔ پھر بھی ریاض بڑے تپاک سے ملا۔ پھر اس نے بڑے پیار سے ناشتہ بنایا اور ہم دونوں نے مل کر کھایا۔ سچ کیا بتاؤں کتنا اچھا لگا مزہ ہی تو آگیا بالکل ایسے جیسے دو ماں جائے مل بیٹھے ہوں گھر پر تو اکیلے کچھ پکانے کھانے کو بھی دل ہی نہیں کرتا جب بھوک ستائے تو ڈبوں کی بے مزہ

چیزیں ہی زیر مار کر لیتا ہوں۔ مگر ریاض نے تو اچھا خاصا کھانا
پکانا سیکھ لیا ہے میں نے خوب شوق سے ناشتہ پیٹ بھر کر کر لیا
اور پھر ہم سمندر کی طرف جا نکلے۔ چونکہ دن اچھا تھا اس لئے
تقریباً شہر کا شہر ہی تفریح کو آ گیا تھا۔ مقامی لوگ اپنی اپنی
فیملیوں کے ساتھ تیراکی کا لباس پہنے پانی میں اترے ہوئے مزے سے
نہا رہے تھے اور کچھ ایک دوسرے سے تیراکی کے مقابلے کر رہے تھے۔ انہیں
اس طرح تیراکی کے مقابلے کرتے دیکھ کر مجھے اپنا بچپن اور اپنا گاؤں یاد
آ گیا اس کے ساتھ ہی گاؤں کی وہ ندیا بھی یاد آ گئی جس میں ہم سب
گاؤں کے لڑکے تیرتے اور آپس میں مقابلے کیا کرتے تھے۔ کیسے پیارے
تھے وہ دن اور کتنا اچھا تھا وہ وقت۔ اپنا دلیس اور اپنے لوگ
مجھے دلیس کی یاد آئی تو اپنا گھر بھی یاد آنے لگا۔ اور یوں گھر کی
یاد کے ساتھ ہی مجھے یوں لگا کہ جیسے میرے دل پر چوٹ لگی ہو
درد کی تیز لہر میرے دل میں اٹھتی ہوئی مجھے محسوس ہوئی۔
میں نے تصور کی آنکھ سے دیکھا چلچلاتی دھوپ میں چارپائی کھڑی
کر کے اس پر کھیس ڈال کر چھاؤں کر رکھی ہے اور سایہ میں بیٹھی
ماں اپنی آنکھوں میں ڈھیر سارے آنسو چھپائے ہوئے ماں
کی ممتا سے گندھی مکی کی روٹیاں اتار رہی ہے۔ پاس ہی
شہباز علی میرا بھیا اور صفیہ میری گڑیا سی بہنا مرجھائے
ہوئے چہرے لئے ماں کے سامنے ہی چوکیوں پر بیٹھے ہیں ان کی
کٹوریوں میں سرسوں کے ساگ پر اپنے گھر کے مکھن کے پیڑے
رکھے ہیں پاس ہی لسی کی گڑوی ڈھکی پڑی ہے۔ سارے کھانا کھا
تو رہے ہیں مگر ان کے دکھی چہروں پر اندھیری رات کی سیاہی لپ
گئی ہے۔ جسے دیکھ کر میرا دل تڑپ اٹھا۔
اور بے اختیار میرے لبوں سے آہ کے ساتھ آنکھوں میں آنسو
بھی بھر آئے۔ ریاض نے فش اینڈ چپس کا پیکٹ پکڑاتے ہوئے
میرے چہرے پر پھیلا کرب دیکھ لیا تو میرا ہاتھ پکڑ کر محبت اور
خلوص سے دباتے ہوئے پوچھا کیا بات ہے؟ تم اتنے دکھی اور کھوئے
کھوئے سے کیوں ہو؟ کیا تم اپنے دوست کو نہیں بتاؤ گے؟
ریاض کا یہ پیار بھرا استفسار میرے جذبات کو بے قابو کر گیا اور
میں نے کل والے اخبار کا وہ تراشا جس میں بابا اور بھیا کے پکڑے

جانے کی خبر چھپی ہوئی تھی جیب سے نکال کر اپنے دوست کو تھما دیا۔
جسے پڑھ کر وہ بھی میرا دکھ درد جان گیا۔ تو اب کیا ارادہ ہے؟ اس
نے پریشانی سے پوچھا۔ سچ پوچھو تو جب سے پتہ چلا ہے کہ بابا اور
بڑے بھیا قتل کے الزام میں پکڑے گئے ہیں کسی کل چین ہی نہیں
پڑتا مگر کیا کروں اپنے بس میں ہے بھی کیا؟ اور حقیقت تو یہ ہے کہ
جس وقت ہم اپنے دیس کو چھوڑ کر پردیس سدھارتے ہیں یہ مجبوریاں
تو اسی پل سے ساتھ لگ جاتی ہیں۔
اب بھی تو سوچتا ہوں کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر واپس اپنے دیس
چلا جاؤں۔ اُدھر آجکل کما دمیرے برابر ہو چکا ہوگا۔ اِدھر یہ
آفت سر پر آپڑی ہے۔ کہ بابا کو اور بھیا کو بھی جیل ہو گئی ہے۔
کھیتوں کو کون دیکھتا ہوگا اماں اکیلی یہ سارے دکھ کیسے جھیلتی ہوگی
یوں تو کل ہی رات میں نے فون کر کے ماماجی کے ساتھ بات کی تھی
وہ تو بڑا حوصلہ دے رہے تھے کہ فکر نہ کرو بس دعا کرتے رہو اور
وکیل کے لئے فیس کی رقم بھیج دینا پریشان نہ ہونا سب ٹھیک ہو
جائے گا انشاءاللہ میں سب سے اچھا وکیل کر لوں گا
میں جانتا ہوں ماما تو کافی بھاگ دوڑ کر رہے ہیں وہ اپنی طرف سے
تو کوئی کمی نہ کریں گے۔ ان کی واقفیت بھی کافی ہے۔ مگر یہ بھی معلوم
ہے کہ بات معمولی نہیں ہے۔ قتل جو ہوا ہے اس لئے بابا تو جلدی گھر
نہیں آسکے گا۔ بھیا ہی جیل سے چھوٹ کر گھر آگیا تو بڑی بات ہوگی
تم جانتو شہر کا معاملہ ہے مقدمے کے لئے بھاگ دوڑ تو ماماجی کر لینگے
مگر گاؤں میں کھیتی باڑی کون کرے گا۔ ڈھور ڈنگروں اور گھر
میں ماں اور بچوں کو کون دیکھے بھالے گا؟ کون حوصلہ دے گا؟
وہاں تو کوئی نہیں ہے۔ میں واپس گھر جانا تو چاہتا ہوں مگر ہائے رے
مجبوری میرا وکیل جانے کی اجازت نہیں دیتا اس کا کہنا ہے کہ کیس بگڑ
جائے گا اور پھر تم لوٹ کر یہاں نہیں آسکو گے۔ میں نے اپنے دوست کے
سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔
ارے ہاں تمہارا تو اپنے سسرال والوں سے کچھ معاملہ گڑبڑ تھا۔ ابھی تک
معاملات ٹھیک نہیں ہوئے کیا؟ دوست پوچھ رہا تھا آخر تمہارے
سسرال والے چاہتے کیا ہیں؟ اپنی تو سمجھ میں یہ ہی نہیں آیا۔ دراصل
بات یہ ہے کہ بات کچھ بھی نہیں مگر پھر بھی بات بگڑ چکی ہے کیونکہ میری
منگیتر جو کہ برطانیہ میں ہی پیدا ہوئی اور پلی بڑھی تھی وہ مغربی
تعلیم کا زیادہ ہی اثر لے گئی قصور شائد والدین کا بھی ہو کہ انہوں
نے اپنی تعلیم دینے کی کوئی ضرورت ہی نہ سمجھی جس کی وجہ سے
سارے ہی بچے ہاتھوں سے نکلتے چلے گئے اور اپنی من مرضی کرنے لگے ہیں

ان کے ماں باپ تو دل سے چاہتے ہیں کہ سارے بچے اپنے گھر بسا لیں اور سکھ
آرام سے زندگی کے دن کاٹیں۔ اسی لئے انہوں نے مجھے اپنے دیس سے اس
پردیس میں منگیتر بنا کر منگایا تھا
اس وقت تو نجانے کیسے لڑکی بھی رضامند ہوگئی اور ماں باپ کے کہنے سے
ائیرپورٹ سے مجھے لے آئی لیکن اب لڑکی کے من کو میں نہیں بھاتا کہ میرا
رنگ کالا ہے اور میری تعلیم بھی کچھ نہیں۔ میرے پاس ڈگری تو کیا
میٹرک کی سند بھی نہیں ہے جب کہ لڑکی وکالت کر رہی ہے۔ اور بس
یہیں سے معاملہ بگڑا ہوا ہے۔ لڑکی ایک ان پڑھ بدصورت دیہاتی سے نباہ نہیں کر سکتی
میں نے اپنی ساری کہانی اپنے دوست کو سنادی سچی بات جان کر وہ
بیچارہ بھی میری طرح والدین کی تربیت پر ہی الزام دھرنے لگا کہ پہلے
تو اپنے بچوں کو بے جا آزادی دے کر خوش ہوتے ہیں کہ ہم ماڈرن ہو
گئے ہیں مگر جب پانی سر سے گزر جاتا ہے تو کچھ کر نہیں پاتے۔
اسی لئے تو آجکل زیادہ تر ایشیائی گھرانوں میں اولاد اور والدین
کے درمیان کھینچا تانی ہو رہی ہے۔ میں ذاتی طور پر کچھ ایسے گھرانوں
کو بھی جانتا ہوں جن کے بچے تو اپنے پیدا کرنے والے مالک و خالقِ
ارض و سما ربّ العالمین کی ذات پاک سے بھی منکر ہو چکے ہیں
ان بچوں کا کہنا ہے اللہ تعالیٰ کا کوئی وجود ہی نہیں یعنی کوئی خدا
نہیں ہے بلکہ یہ سب کائنات، ہست و بود خود بخود عالمِ وجود میں
آگئی ہے اور کاروبارِ زندگی آٹومیٹک چل رہا ہے زندگی اور
موت نیچرل ہے ہر ذی روح پیدا ہو کر مقررہ مدت پوری کر کے مر جاتا ہے اور بس۔
انسان حیوان چرند پرند خشکی تری صبح و شام رات دن شجر حجر جاندار
اور بے جان کی نیچر ہے کہ رونما ہوتے ہیں اور پھر اپنے وقت پر ختم
ہو جاتے ہیں جب ان کا وقت ختم ہو جاتا ہے مر جاتے ہیں اور بس
یہ ہی زندگی اور موت کی کہانی ہے اس کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے
جو کچھ ہوتا ہوتا ہے اسی زندگی میں ہو چکتا ہے یہ جنت دوزخ حساب و
کتاب۔ کس نے کبھی واپس آکر بتایا ہے کہ کیا ہوتا ہے جو مر گئے سو مر
گئے اس زندگی میں جو خوش باش کامیاب و کامران گزارتا ہے
وہ ہی جنت میں ہے اور جو کوئی نامراد ناخوش اور دکھی ناکام
زندگی گذارتا ہے وہ ہی جہنم میں ہے سب کچھ یہاں ہے دوسری کوئی
دنیا نہیں کوئی خدا کوئی ایسی طاقت بھی نہیں ہے جس کے سامنے
جوابدہ ہونا پڑے گا یہ سب عذاب اور ثواب کے جھوٹے قصے ہیں جو گھڑے
جنہیں پرانے بوڑھے لوگوں نے اپنے بڑوں سے سن کر ابھی تک اپنے
کمزور ذہنوں میں بسا رکھا ہے اور بھلانا نہیں چاہتے۔ کیونکہ ان
کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ سب نے اپنے اعمال کا حساب

دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ریاض نے بڑے دکھ سے اپنی نئی پود کے نئے خیالات سے مجھے آگاہ کر دیا۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ ہم جو دن رات پونڈز کمانے میں لگے رہتے ہیں۔ ان کھنکتے سکوں کو جمع کرنے میں اس قدر مگن ہو چکے ہیں کہ اپنے جگر کے ٹکڑوں اپنی اولاد کو جو کہ ہماری اصل دولت ہے ہماری اصل پونجی کو ہم اپنے ہاتھوں سے کھوتے جا رہے ہیں۔ ضائع کر رہے ہیں حقیقتاً ہم کتنے کنگال ہو چکے ہیں اپنوں سے دور پردیس میں آ کر۔ اب ہم سوچتے ہیں کہ کتنے خوش قسمت ہیں اپنے دیس کے لوگ کہ ان کے پاس اپنے بزرگوں کی دعائیں ہوتی ہیں اپنے بڑوں کے مفید مشورے ہوتے ہیں ان کی زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہوتا ہے جن تجربات اور کار آمد ہدایات پر عمل کر کے زندگی کے میدانِ عمل میں ہم کامیابی و کامرانی حاصل کرتے ہیں۔ اپنے بچوں کی محبت ہوتی ہے جو آگے بڑھنے کا حوصلہ اور زندگی میں کچھ کرنے کا اور کچھ بننے کا عزم بخشتی ہے

اپنا مذہب اپنا عقیدہ ہوتا ہے جس کی پناہ میں رہ کر روحانی تسکین کے ساتھ ساتھ ہی جذباتِ خیر ہمیں دنیا کی ہر زیادتی پر درگزر کرنے کی طاقت عطا کرتے ہیں ایثار اور قربانی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ سے جزا اور ثواب کی امید اور آس سے روح کو سکون ملتا ہے یوں بھی کتنا خلوص اور پیار کے ساتھ اپنا پن ہوتا ہے ہمارے اپنے خاندانوں میں اپنے دیس میں اپنی مٹی میں اپنی فضاؤں میں پیار ہی پیار ہوتا ہے۔ مجھے اس وقت اپنوں کا اپنا پن بہت یاد آ رہا تھا۔ اور یہاں پردیس میں تو ہر چیز ہی نقلی لگتی ہے

پھولوں میں خوشبو نہیں ہوتی پھلوں میں ذائقہ نہیں ہوتا شائد اس لئے کہ اس کنگال ملک میں کوئی اپنے دیس کی طرح دھرتی ماں کو اپنے خون اور پسینے کو نچوڑ کر نمک اور اپنے دل کی دھڑکنوں میں رچا پیار کا امرت نہیں پلاتا جب کہ اپنے دیس میں تو دھرتی ماں کی دھول کو بھی سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں اسی لئے تو ہر پھول کی الگ خوشبو ہر پھل کا الگ سے اپنا ذائقہ اور ہر سبزی کا الگ سے اپنا مزہ ہوتا ہے۔ جب ہی تو ہر کھانے کا جدا لطف اور لذت نصیب ہوتی ہے

کتنا فرق ہے اپنے دیس اور پردیس میں۔ اور ہم اپنی بے شمار مجبوریوں میں الجھے پھنسے ہونے کے باوجود بھی خیالوں میں ہی بغیر ٹکٹ ویزا کے اپنی دھرتی کو عقیدت اور محبت بھرا سلام کر آئے۔ ہم نے گنے کے کھیتوں پر چھائی کالی گھٹا دیکھی مالٹے اور سنترے پر آئی بہار دیکھی اور مولیوں اور گاجروں پر سبزہ لہراتا دیکھ کر دل کا کافی بوجھ ہلکا ہو گیا۔ میں پھر ملتے رہنے کا وعدہ کر کے ریاض سے رخصت لے کر گھر چلا آیا۔ اپنے اپارٹمنٹ میں اپنوں کی یادوں کو سینے سے لگائے آ کر ٹیلی کے سامنے آ بیٹھا ہوں اور کیا کروں؟